سید منظور الحسن☆

غامدی صاحب کے تصور 'سنت' پر اعتراضات کا جائزہ (۲)

ملت ابراہیم کی اتباع

فاضل ناقد نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ غامدی صاحب کی یہ بات درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا تھا۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے احکام محفوظ ہی نہیں تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اتباع کا حکم کیونکر دیا جا سکتا تھا۔ لکھتے ہیں:

> ''اگر ملت ابراہیمی سے مراد وہ ستائیس اعمال لے بھی لیے جائیں جو کہ غامدی صاحب بیان کر رہے ہیں تو پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین ابراہیمی کی بنیادی عبادات نماز اور مناسک حج وغیرہ بھی محفوظ نہ تھیں چہ جائیکہ باقی اعمال محفوظ رہے ہوں۔ جب دین ابراہیمی ہی محفوظ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اتباع کا حکم دینا کچھ معنی نہیں رکھتا۔'' (فکر غامدی ۵۷)

فاضل ناقد کے پہلے اعتراض کے جواب میں یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو گئی ہے کہ ملت ابراہیمی سے مراد دین ابراہیمی ہے اور اس کے مشمولات میں فقط اصولی تصورات نہیں، بلکہ احکام واعمال بھی شامل ہیں۔ اس تناظر میں دوسرے اعتراض کے بارے میں ہماری معروضات حسب ذیل نکات پر مبنی ہیں:

اولاً، اس اعتراض کی تردید خود آیت کے اسلوب بیان سے ہو جاتی ہے۔ حکم دیا گیا ہے: 'وَاتَّبِعُ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ' یعنی ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر کو یا اپنے بندوں کو کسی ایسی چیز کا حکم دیں جس کا وجود عنقا ہو، جو غیر محفوظ ہو یا جس کا مصداق مشتبہ ہو۔ اس ضمن میں دلیل قاطع یہ ہے کہ آیت کے اولین مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ عامۂ عرب کو ملت ابراہیم کے مختلف احکام کے بارے میں ابہام یا اشکال ہو، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ہرگز ممکن نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ کے احکام کی تفہیم کے لیے وحی کی مکمل رہنمائی میسر تھی۔ چنانچہ یہ یقینی امر ہے کہ آپ ان سنن کی حقیقی صورتوں سے بھی آگاہ تھے اور ان سے متعلق بدعات اور تحریفات کو بھی پوری طرح جانتے تھے۔

ثانیاً، قرآن مجید میں مختلف سنن کا جس طریقے سے ذکر ہوا ہے، اس سے بھی یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دین ابراہیمی کے سنن اہل عرب میں پوری طرح معلوم ومتعارف تھے۔ عرب جاہلی میں دین ابراہیمی کے سنن کوئی اجنبی چیز نہیں تھے۔ ان کی زبان میں صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، نسک کے الفاظ کا وجود بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان

☆ مدیر ماہنامہ اشراق، لاہور۔ manzoorhsyed@hotmail.com

عبادات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ان کی مذہبی حیثیت، ان کے آداب، ان کے اعمال واذکار اور حدود و شرائط کو بھی بہت حد تک جانتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن نے جب ان کا ذکر کیا تو ایسے ہی کیا جیسے کسی معلوم و معروف چیز کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نہ ان کی نوعیت اور ماہیت بیان کی اور نہ ان کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ابراہیمی کی ایک روایت کی حیثیت سے یہ جس طرح انجام دی جاتی تھیں، وحی کی رہنمائی میں ان میں بعض ترامیم کر کے، ان میں کیے جانے والے انحرافات کو ختم کر کے اور ان کی بدعات کی اصلاح کر کے انھیں اپنے ماننے والوں کے لیے جاری فرمایا۔

فاضل ناقد نے نماز اور حج کی مثال دی ہے اور لکھا ہے: ''دین ابراہیمی کی بنیادی عبادات نماز اور مناسک حج وغیرہ بھی محفوظ نہ تھیں چہ جائیکہ باقی اعمال محفوظ رہے ہوں۔'' ہمارے نزدیک ان سنن کے حوالے سے قرآن وحدیث میں ان کے بیان ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اعمال فی الجملہ محفوظ تھے اور اہل عرب ان پر عامل تھے۔

ثالثاً، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بنی اسماعیل میں دین ابراہیمی کی جو روایت رائج تھی، اس میں انھوں نے بعض تحریفات کر رکھی تھیں اور بعض بدعات اختراع کر لی تھیں، لیکن یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان تحریفات اور بدعات کا تحریف اور بدعت ہونا پوری طرح مسلم تھا، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بھی انھیں اختیار نہیں کیا۔ مزید براں نبوت کے بعد ان تحریفات کی نشان دہی اور ان بدعات سے آگاہی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی رہنمائی بھی میسر ہو گئی۔ اس تناظر میں بالبداہت واضح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو سنت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا تو اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں تھا۔

رابعاً، فاضل ناقد کا اعتراض اگر حفاظت ہی کے پہلو سے ہے تو سوال یہ ہے کہ ''ملت ابراہیم'' کا جو مفہوم و مصداق خود انھوں نے متعین کیا ہے، یعنی توحید، شرک سے اجتناب اور اطاعت الٰہی، کیا یہ تصورات مشرکین عرب کے ہاں محفوظ اور تحریف و آمیزش سے پاک تھے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ فاضل ناقد اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ، بلاشبہ مشرکین نے ان تصورات میں تحریف و آمیزش کر رکھی تھی، لیکن وہ اس آمیزش سے بھی پوری طرح آگاہ تھے اور اصل تصورات کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ بعینہٖ یہی معاملہ اعمال کا بھی ہے۔ وہ ان اعمال کی اصل سے بھی واقف تھے اور ان کے محرفات کو بھی جانتے تھے۔

یہ نکات امید ہے کہ فاضل ناقد کے اطمینان کے لیے کافی ہوں گے۔ مزید تاکید کے لیے اہل علم کی تالیفات کے چند اقتباس درج ذیل ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ تمام احکام جنھیں غامدی صاحب نے دین ابراہیمی کی روایت قرار دے کر سنن کی فہرست میں شمار کیا ہے، ہمارے جلیل القدر علما بھی انھیں دین ابراہیمی کی مستند روایت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین اسلام کے پس منظر کے حوالے سے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیان کیا ہے کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ تمام انبیا نے بنیادی طور پر ایک ہی جیسے عقائد اور ایک ہی جیسے اعمال کی تعلیم دی ہے۔ شریعت کے احکام اور ان کی بجا آوری کے طریقوں میں حالات کی ضرورتوں کے لحاظ سے، البتہ کچھ فرق رہا ہے۔ سرزمین عرب میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اس موقع پر اس دین کے احوال یہ تھے کہ صدیوں کے تعامل کے نتیجے میں اس کے احکام دینی مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور ملت ابراہیم کے طور پر پوری طرح معلوم و معروف تھے، تاہم بعض احکام میں تحریفات اور بدعات داخل ہو گئی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا: 'اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا' یعنی

ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ آپ نے یہ پیروی اس طریقے سے کی کہ اس ملت کے معلوم ومعروف احکام کو برقرار رکھا، بدعات کا قلع قمع کیا اور تحریف شدہ احکام کو ان کی اصل صورت پر بحال فرمایا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''اصل دین ایک ہے، سب انبیا علیہم السلام نے اسی کی تبلیغ کی ہے۔ اختلاف اگر ہے تو فقط شرائع اور مناہج میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب انبیا نے متفق الکلمہ ہو کر یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید دین کا بنیادی پتھر ہے۔ عبادت اور استعانت میں کسی دوسری ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ...ان کا یہ پختہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سب حوادث اور واقعات کو وقوع سے پہلے ازل میں مقدر کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک پاک مخلوق ہے جس کو ملائکہ کہتے ہیں۔ وہ کبھی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور اس کے احکام کی اسی طرح تعمیل کرتے ہیں، جس طرح ان کو حکم ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو چن لیتا ہے جس پر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کر دیتا ہے۔ موت کے بعد زندہ ہونا اور قیامت کا قائم ہونا حق ہے، جنت اور دوزخ کا ہونا حق ہے۔ جس طرح ہر دین کے عقائد ایک ہیں، اسی طرح بنیادی نیکیاں بھی ایک جیسی ہیں۔ چنانچہ دین میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ نوافل عبادات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں قرب حاصل کرنے کی تعلیم ہر دین میں موجود ہے۔ مثلاً مرادوں کے پورا ہونے کے لیے دعا مانگنا، اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہنا نیز کتاب منزل کی تلاوت کرنا۔ اس بات پر بھی تمام انبیا علیہم السلام کا اتفاق ہے کہ نکاح جائز اور سفاح حرام اور ناجائز ہے۔ جو حکومت دنیا میں قائم ہو عدل اور انصاف کی پابندی کرنا اور کمزوروں کو ان کے حقوق دلانا اس کا فرض ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کا فرض ہے کہ مظالم اور جرائم کے ارتکاب کرنے والوں پر حد نافذ کرے، دین اور اس کے احکام کی تبلیغ اور اشاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ یہ دین کے وہ اصول ہیں جن پر تمام ادیان کا اتفاق ہے اور اس لیے تم دیکھو گے کہ قرآن مجید میں ان باتوں کو مسلمات مخاطبین کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور ان کی لمیت سے بحث نہیں کی گئی۔ مختلف ادیان میں اگر اختلاف ہے تو وہ فقط ان احکام کی تفاصیل اور جزئیات اور طریق ادا سے متعلق ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۹۹-۲۰۰)

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا: 'اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا' اور آپ کی امت کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا: 'مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ'۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرمایا: 'وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ'۔ اس کا راز اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی دین پر بہت صدیاں گزر جاتی ہیں اور اس اثنا میں لوگ اس کی پابندی اور اس کے شعائر کی تعظیم اور احترام میں مشغول رہتے ہیں تو اس کے احکام اس قدر شائع وذائع ہو جاتے ہیں کہ ان کو بدیہات اور مشہورات مسلمہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور کسی کو بھی ان سے انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، لیکن ساتھ ہی اس کے احکام میں طرح طرح کا تغیر وتبدل اور اس کی تعلیمات میں مختلف النوع تحریفات بھی آ جاتی ہیں اور بعض بری رسوم بھی رواج پا جاتی ہیں۔ چنانچہ ان رسوم کی اصلاح اور ان تحریفات کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک نبی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب وہ مبعوث ہو چکتا ہے تو اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو احکام اس قوم میں جس کی طرف وہ مبعوث ہوا ہے، شائع وذائع ہیں، ان پر وہ ایک نظر غائر ڈالتا ہے جو احکام سیاست ملیہ کے اصول کے مطابق ہوتے ہیں، ان کو برقرار رکھتا ہے اور لوگوں کو ان کے پابند رہنے کی ترغیب دیتا اور تاکید کرتا ہے، برخلاف اس کے جن میں تحریف آ چکی ہے، ان کو بدل کر اپنی اصل صورت پر لاتا

ہے اور جن احکام میں ہنگامی مصلحت کے لحاظ سے کچھ کمی بیشی کرنا مطلوب ہو، ان میں وقتی مصالح کے تقاضوں کے مطابق تغیر وتبدل کر دیتا ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۰۹)

شاہ صاحب نے ملت ابراہیمی کے حوالے سے اسی بات کو ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت حنیفیہ اسماعیلیہ کی کجیاں درست کرنے اور جو تحریفات اس میں واقع ہوتی تھیں، ان کا ازالہ کر کے ملت مذکورہ کو اپنے اصلی رنگ میں جلوہ گر کرنے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ 'مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ' (اور 'اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا') میں اسی حقیقت کا اظہار ہے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ ملت ابراہیم کے اصول کو محفوظ رکھا جائے اور ان کی حیثیت مسلمات کی ہو۔ اسی طرح جو سنتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی تھیں، ان میں اگر کوئی تغیر نہیں آیا تو ان کا اتباع کیا جائے۔ جب کوئی نبی کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس سے پہلے نبی کی شریعت کی سنت راشدہ ایک حد تک ان کے پاس محفوظ ہوتی ہے جس کو بدلنا غیر ضروری، بلکہ بے معنی ہوتا ہے۔ قرین مصلحت یہی ہے کہ اس کو واجب الاتباع قرار دیا جائے، کیونکہ جس سنت راشدہ کو وہ لوگ پہلے بنظر استحسان دیکھتے ہیں، اسی کی پابندی پر مامور کیا جائے تو کچھ شک نہیں کہ وہ اس کو قبول کرنے میں ذرہ بھی پس وپیش نہیں کریں گے اور اگر کوئی اس سے انحراف یا سرتابی کرے تو اس کو زیادہ آسانی سے قائل کیا جا سکے گا، کیونکہ وہ خود اس کے مسلمات میں سے ہے۔'' (حجۃ اللہ ۱/۴۲۷)

یہ بات بھی اہل علم کے ہاں پوری طرح مسلم ہے کہ دین ابراہیمی کے سنن عربوں میں قبل از اسلام رائج تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ عرب نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اعتکاف، قربانی، ختنہ، وضو، غسل، نکاح اور تدفین کے احکام پر دین ابراہیمی کی حیثیت سے عمل پیرا تھے۔ ان احکام کے لیے شاہ صاحب نے 'سنة' (سنت)، 'سنن متاكدة' (مؤکد سنتیں)، 'سنة الانبياء' (انبیا کی سنت) اور 'شعائر الملة الحنيفية' (ملت ابراہیمی کے شعار) کی تعبیرات اختیار کی ہیں:

''یہ بات وہ سب (عرب) جانتے تھے کہ انسان کا کمال اور اس کی سعادت اس میں ہے کہ وہ اپنا ظاہر اور باطن کلیۃً اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس کی عبادت میں اپنی انتہائی کوشش صرف کرے۔ طہارت کو وہ عبادت کا جز سمجھتے تھے اور جنابت سے غسل کرنا ان کا معمول تھا۔ ختنہ اور دیگر خصال فطرت کے وہ پابند تھے۔ تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی اولاد کے لیے ختنہ کو ایک شناخت کی علامت مقرر کیا۔ یہودیوں اور مجوسیوں وغیرہ میں بھی وضو کرنے کا رواج تھا اور حکماے عرب بھی وضو اور نماز عمل میں لایا کرتے تھے۔ ابوذر غفاری اسلام میں داخل ہونے سے تین سال پہلے، جبکہ ابھی ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح قس بن ساعدہ ایادی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہود اور مجوس اور اہل عرب جس طریقے پر نماز پڑھتے تھے، اس کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ ان کی نماز افعال تعظیمہ پر مشتمل ہوتی تھی جس کا جز واعظم سجود تھا۔ دعا اور ذکر بھی نماز کے اجزا تھے۔ نماز کے علاوہ دیگر احکام ملت بھی ان میں رائج تھے۔ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ۔...صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور صنفی تعلق سے محترز رہنے کو روزہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ عہد جاہلیت میں قریش عاشور کے دن روزہ رکھنے کے پابند تھے۔ اعتکاف کو بھی وہ عبادت سمجھتے تھے۔ حضرت عمر کا یہ قول کتب حدیث میں منقول ہے کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک دن کے لیے اعتکاف میں بیٹھنے کی منت مانی تھی جس کا حکم انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔...اور یہ تو خاص وعام جانتے ہیں کہ سال بہ سال بیت اللہ کے حج

کے لیے دور دور سے ہزاروں کی تعداد میں مختلف قبائل کے لوگ آتے تھے۔ ذبح اور نحر کو بھی وہ ضروری سمجھتے تھے۔ جانور کا گلا نہیں گھونٹ دیتے تھے یا اسے چیرتے پھاڑتے نہیں تھے۔ اسی طرح اشہر الحرم کی حرمت ان کے ہاں مسلم تھی۔...ان کے ہاں دین مذکور کی بعض ایسی مؤکد سنتیں ماثور تھیں جن کے ترک کرنے والے کو مستوجب ملامت قرار دیا جاتا تھا۔ اس سے مراد کھانے پینے، لباس، عید اور ولیمہ، نکاح اور طلاق، عدت اور احداد، خرید و فروخت، مردوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق آداب اور احکام ہیں جو حضرت ابراہیم سے ماثور و منقول تھے اور جن پر ان کی لائی ہوئی شریعت مشتمل تھی۔ ان سب کی وہ پابندی کرتے تھے۔ ماں، بہن اور دیگر محرمات سے نکاح کرنا اسی طرح حرام سمجھتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ قصاص اور دیت اور قسامت کے بارے میں بھی وہ ملت ابراہیمی کے احکام پر عامل تھے۔ اور حرام کاری اور چوری کے لیے سزائیں مقرر تھیں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۹۰-۲۹۲)

''انبیا علیہم السلام کی سنت ذبح اور نحر ہے جو ان سے متوارث چلی آئی ہے۔ ذبح اور نحر دین حق کے شعائر میں سے ہے اور وہ حنیف اور غیر حنیف میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، اس لیے یہ بھی اسی طرح کی ایک سنت ہے، جس طرح کہ ختنہ اور دیگر خصال فطرت ہیں اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت سے سرفراز فرما کر دنیا میں ہدایت کے لیے بھیجا گیا تو آپ کے دین میں اس سنت ابراہیمی کو دین حنیفی کے شعار کے طور پر محفوظ رکھا گیا۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳۱۹-۳۲۰)

امام رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ عربوں میں حج اور ختنہ وغیرہ کو دین ابراہیمی ہی کی حیثیت حاصل تھی:

''اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت خاص تھی، جیسے بیت اللہ کا حج اور ختنہ وغیرہ۔...عربوں نے ان چیزوں کو دین کی حیثیت سے اختیار کر رکھا تھا۔'' (التفسیر الکبیر ۴/۱۸)

ختنہ کی سنت کے حوالے سے ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس کی روایت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک بلا انقطاع جاری رہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیمی کی تکمیل اور توثیق کے لیے مبعوث ہوئے:

''ختنہ کو واجب کہنے والوں کا قول ہے کہ یہ دین ابراہیمی کی علامت، اسلام کا شعار، فطرت کی اصل اور ملت کا عنوان ہے۔...دین ابراہیمی کی اتباع کرنے والے اپنے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ہمیشہ اسی پر کاربند رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیمی کی تکمیل اور توثیق کے لیے مبعوث فرمائے گئے نہ کہ اس میں تغیر و تبدل کرنے کے لیے۔'' (ابن القیم، مختصر تحفۃ المولود ۱۰۳-۱۰۴)

قبل از اسلام تاریخ کے محقق ڈاکٹر جواد علی نے اپنی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں کم و بیش ان تمام سنن کو دین ابراہیمی کے طور پر نقل کیا ہے جنھیں جناب جاوید احمد غامدی نے سنتوں کی فہرست میں جمع کیا ہے اور جو عربوں میں اسلام سے پہلے رائج تھیں۔ اس ضمن میں فاضل محقق نے نماز، روزہ، اعتکاف، حج و عمرہ، قربانی، جانوروں کا تذکیہ، ختنہ، مونچھیں پست رکھنا، زیر ناف کے بال کاٹنا، بغل کے بال صاف کرنا، بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، استنجا، میت کا غسل، تجہیز و تکفین اور تدفین کے بارے میں واضح کیا ہے کہ یہ سنن دین ابراہیم کے طور پر رائج تھیں اور عرب بالخصوص قریش ان پر کاربند تھے۔ لکھتے ہیں:

''بنو معد بن عدنان دین ابراہیمی کے بعض اجزا پر کارفرما تھے۔ وہ بیت اللہ کا حج کرتے تھے اور اس کے مناسک ادا کرتے تھے۔ مہمان نواز تھے، حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے تھے۔ فواحش، قطع رحمی اور ایک دوسرے کے ساتھ ظلم و زیادتی کو برا

جانتے تھے۔ جرائم کی صورت میں سزا بھی دیتے تھے۔ یہی چیزیں ہیں جنھیں آج ہم رسم ورواج اور اخلاقی اصول وضوابط میں شمار کرتے ہیں۔ یہی امورسنت ابراہیمی تھے، یعنی بت پرستی سے پہلے عربوں کا قدیم دین۔'' (۳۴۵/۶)

''روایتوں میں ہے کہ قریش یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے۔...روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے یہ روزہ رکھتے تھے۔'' (۳۳۹/۶)

''اعتکاف کی نسبت دین ابراہیمی کے متبعین کی طرف کی جاتی ہے جو پہاڑوں، غاروں اور غیر آباد جگہوں میں اس کا اہتمام کرتے تھے۔ اہل اخبار بیان کرتے ہیں کہ وہ ویران اور آبادی سے دور مقامات پر اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ان جگہوں میں وہ اپنے آپ کو بند رکھتے اور شدید حاجت اور ضروری کام کے علاوہ باہر نہیں نکلتے تھے۔ ان میں عبادت کرتے، کائنات میں غور وفکر کرتے، سچ اور حق کے لیے دعا کرتے۔'' (۵۰۹/۶)

''دین ابراہیمی کے پیرو نساک، یعنی عبادت گزاروں میں سے تھے۔ وہ قربانی کے جانور کو بھی 'نسک' میں شمار کرتے تھے اور وہ ''نسیکہ'' سے مراد ''ذبیحہ'' لیتے تھے۔ قربانی کے جانور، یعنی نسائک زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے نزدیک زہد وعبادت کے اہم مظاہر میں سے تھے۔''(۵۱۰/۶)

''بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مردوں پر صلوٰۃ پڑھتے تھے۔ ان کی نماز جنازہ یہ تھی کہ میت کو کھاٹ پر لٹا دیا جاتا، پھر اس کا ولی کھڑا ہوتا اور اس کے تمام محاسن بیان کرتا اور اس کی مدح وثنا کرتا۔ پھر کہتا: تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ پھر اس کو دفن کر دیا جاتا۔''(۳۳۷/۶)

''غسل جنابت اور مردوں کو نہلانا بھی ان سنتوں میں سے ہے جو اسلام میں مقرر کی گئیں۔ افوہ اودی کے شعر میں غسل میت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اعشیٰ اور بعض جاہلی شعرا کی طرف منسوب اشعار میں مردوں کے کفن اور ان پر نماز پڑھنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روایتوں میں ہے کہ قریش اپنے مردوں کو غسل دیتے اور خوشبو لگاتے تھے۔'' (۳۴۴/۶)

''اہل اخبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین کی کچھ ایسی علامات اور عادات تھیں، جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز تھے۔ ان میں سے ختنہ، زیر ناف بال کاٹنا اور مونچھیں ترشوانا...ختنہ شریعت ابراہیم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ یہ ان قدیم عادات میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں میں عام تھیں۔'' (۵۰۸/۶)

سیدنا ابراہیم سے سنن کا استناد

فاضل ناقد نے تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے سنن کی نسبت تو اتر عملی کے معیار پر تو کجا، خبر صحیح کے معیار پر بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ اگر یہ ثابت ہی نہیں ہے کہ مذکورہ اعمال کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا تھا تو انھیں دین ابراہیمی کی روایت کی حیثیت سے پیش کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ (فکر غامدی ۴۸-۴۹)

ہمارے نزدیک فاضل ناقد کا یہ اعتراض بالکل بے معنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کے تصور کے مطابق سنت کی صورت میں موجود دین کا ماخذ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ اگر سیدنا ابراہیم کی ذات کو ماخذ قرار دیتے تو اسی صورت میں فاضل ناقد کا اعتراض لائق اعتنا ہوتا، لیکن ان کی کسی تحریر میں بھی اس طرح کا تاثر

نہیں ہے۔''اصول ومبادی'' میں انھوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ رہتی دنیا تک کے لیے دین کا ایک ہی ماخذ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ انھی سے یہ دین قرآن اور سنت کی دو صورتوں میں ملا ہے۔ سنت اگرچہ اپنی نسبت اور تاریخی روایت کے لحاظ سے سیدنا ابراہیم ہی سے منسوب ہے، لیکن اس روایت کو ہمارے لیے دین کی حیثیت اس بنا پر حاصل ہوئی ہے کہ اسے نبی آخر الزماں نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

سنن کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نسبت

فاضل ناقد نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ غامدی صاحب کی مرتب کردہ سنن کی فہرست میں سے بیش تر سنن ایسی ہیں جن پر عمل کے شواہد ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیا کے ہاں بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس کی مثال قربانی اور تدفین ہے۔ چنانچہ حقیقت اگر یہی ہے تو غامدی صاحب کے اصول کی رو سے انھیں سنت ابراہیمی کے طور پر نہیں، بلکہ سنت آدم یا سنت نوح کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے۔ (فکر غامدی ۵۰-۵۲)

فاضل ناقد کا یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے۔ زبان و بیان کے مسلمات اور تاریخ وسیر کے معروفات کی رو سے یہ لازم نہیں ہے کہ کسی چیز کی نسبت اس کے اصل موجد ہی کی طرف کی جائے۔ بعض اوقات یہ نسبت بعد کے زمانے کی کسی مشہور ومعروف شخصیت یا قوم کی طرف بھی کر دی جاتی ہے۔ سورۂ مائدہ میں قصاص کے قانون کے لیے 'کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ' (۳۲۔ ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا تھا) کے الفاظ آئے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قانون بنی اسرائیل سے پہلے بھی موجود تھا۔ قرآن نے اگر اسے بنی اسرائیل کے حوالے سے بیان کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ اس کا اجرا بھی بنی اسرائیل کے زمانے میں ہوا ہے۔ چنانچہ ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں بیان کیا ہے:

> ''حضرت آدم اور ان کے بعد کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ اس میں (اللہ کی) شریعت موجود نہ رہی ہو۔ شریعت کے قواعد میں سب سے اہم قاعدہ یہ ہے کہ ظلم سے خون بہنے سے بچایا جائے اور قصاص کے ذریعہ اس کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے تاکہ ظالموں اور جور کرنے والوں کے ہاتھ کو روکا اور پابند کیا جائے۔ یہ ان قواعد میں سے ہے جو ہر شریعت اپنے اندر رکھتی ہے اور یہ اس اصول کا حصہ ہے جو تمام ملتیں بالاتفاق مانتی ہیں۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بنی اسرائیل میں یہ قانون جاری فرمانے کا ذکر کیا، کیونکہ ان سے پہلے کی امتوں کی طرف ان کی شریعتوں میں جو بھی وحی نازل کی گئی، وہ محض قول ہوتا تھا اور لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔'' (۵۹۱/۲)

فاضل ناقد کا وضع کردہ یہ اصول کہ کسی چیز کی نسبت لازماً اس کے اصل موجد ہی کی طرف ہونی چاہیے، اس قدر خلاف حقیقت ہے کہ خود لفظ ملت پر، جس کے مفہوم ومصداق کی تعیین کے لیے فاضل ناقد نے یہ اصول تشکیل دیا ہے، اس کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل ناقد نے لکھا ہے: '''ملت ابراہیم' سے مراد دین اسلام کی وہ اساسی تعلیمات ہیں جو کہ حضرت ابراہیم کی شخصیت میں نمایاں تھیں یعنی ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرنا اور اللہ کا انتہائی درجے میں فرمانبردار ہو جانا۔'' سوال یہ ہے کہ ملت ابراہیم کو فاضل ناقد شرک سے اجتناب اور اللہ کی فرماں برداری کے جس مفہوم میں لے رہے ہیں، کیا یہ تصور اور یہ رویہ آپ سے پہلے انبیا کے ہاں نہیں تھا؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر فاضل ناقد نے اس کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیوں کی ہے؟ (جاری)